

قرآن اور امن و سلامتی

عبدالرحیم اشرف بلوچ

زیر نظر مقالہ میں یہ جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ امن و سلامتی کسے کہتے ہیں ، اسکی کیا اہمیت ہے اور امن و سلامتی کی فضاء قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کیلئے کون سے اقدامات ضروری ہیں۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کر کے ہمارے لینے کیا اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔؟

امن و سلامتی کی فضاء قائم کرنے کی ضرورت و اہمیت اگرچہ بالکل واضح ہے اور اس کیلئے دلائل و براہین پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ، اس لینے کہ اس کرہ ارض پر ایسا کون شخص ہو گا جو اپنے مال و متاع ، اپنی جان اور گھر بار کی خیریت و عاقبت کا طالب نہ ہو ، یا جسکی یہ خواہش ہو کہ فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی کی آگ خود اسے یا اسکی کسی چیز کو چاہے وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو ، جلا کر بہسم کر دے۔ شاید کوئی فاتر العقل انسان ہی ایسی سوچ رکھ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ہم اس وقت لوگوں کا نقطہ نظر نہیں بلکہ قرآن کا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں لہذا ہم اس موضوع کا جائزہ بھی قرآن کی روشنی میں پیش کریں گے :

قرآن کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا کہ :

انی جاعل فی الارض خلیفۃ (بقرہ : ۳۰)

میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے اس پر جو

اعتراض اٹھایا وہ یہ تھا کہ :

اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء (بقرہ : ۳۰)

کیا تو زمین میں اس کو مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد کرے گا اور
خون بہائے گا

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انی اعلم مالا تعلمون (بقرہ : ۳۰)

میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔

فرشتوں کے اس سوال اور اللہ تعالیٰ کے جواب سے پتہ چلتا ہے کہ انسان
کی فطرت اور اسکی سرشت میں سرکشی و بغاوت پر آمادگی اور فتنہ و فساد
کی طرف میلان موجود ہے ۔ ورنہ نہ تو فرشتے اعتراض کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ
اصل سوال کو نظر انداز کر کے صرف اپنے علم کے بارے میں تنبیہ فرمانے پر
اکتفا کرتے ۔ اس کے علاوہ قرآن میں متعدد ایسی آیات موجود ہیں جن
سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت میں خیر و شر اور نیکی و بدی دونوں پہلو بہ
پہلو ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ، ثم رددناه اسفل سافلین

(التین : ۴ - ۵)

بیشک ہم نے انسان کو اچھے سانچے میں ڈھال کر بنایا ہے اور پھر اسے
انتہائی پستیوں میں پھینک دیا ۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ونفس و ما سؤھا فالھمھا فجورھا وتقوھا ، قد افلح من زکھا وقد خاب من

دشھا (الشمس : ۷ - ۱۰)

قسم ہے نفس کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا ، پھر سمجھ دی اسکو
ڈھٹائی کی اور بیچ کر چلنے کی ۔ پس مراد کو پہنچا جس نے اسکو سنوار لیا اور
نامراد ہوا جس نے اسکو خاک میں ملا چھوڑا ۔

اور یہی مفہوم ہے قرآن کریم کی اس آیت کا کہ ہم نے انسان کو ہدایت و
گمراہی کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں ، ارشاد فرمایا :

وھدیناہ النجدین (البلد : ۱۰)

اور دکھلا دیں ہم نے اسکو دو گھاٹیاں ۔

معلوم ہوا کہ انسانی فطرت میں برائی اور شر بھی اسی طرح موجود ہے جیسا کہ اس میں خیر و بھلائی ، کیونکہ اسی طرح ہی اسکی آزمائش ممکن تھی۔ خیر اور شر کی یہ جنگ انسان میں اسکی موت تک جاری رہتی ہے۔ اسکا نفس اشارہ اسے برائی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے (۱) جسکی وجہ سے انسان نفس کی اطاعت میں اکثر اوقات راہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے اور خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو کر برائی کی راہ اپنا لیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی یہ زمین فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی ہے جسکی وجہ سے انسانی معاشرہ تباہی و بربادی کے خطرے سے دوچار ہو جاتا ہے۔

چونکہ امن و سلامتی کی فضاء انسانیت کی بقاء کیلئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح اس کائنات کی دیگر اشیاء کو بھلنے بھولنے کیلئے سازگار ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا امن و سلامتی کا قیام انسان کا ایک بنیادی فریضہ ہے۔ اور یہ خود اس کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ فتنہ و فساد کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کرے اور پھر اسے استحکام دینے کی خاطر تمام ممکنہ اقدامات کرے۔

امن و امان قائم رکھنے کیلئے دراصل دو محاذوں پر کام کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ایک محاذ اندرونی ہوتا ہے اور دوسرا محاذ بیرونی کہلاتا ہے۔ جب تک ان دونوں محاذوں پر یکساں توجہ دے کر امن قائم نہ ہو گا سلامتی اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اور پھر چونکہ اندرونی محاذ ہمیشہ کہلا رہتا ہے اور افراد معاشرہ کیلئے برائی اور شر سے ہمہ وقت کی جنگ انتہائی ضروری ہوتی ہے لہذا سب سے پہلے ہم ان اقدامات کا ذکر کریں گے جو اس محاذ پر بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے بعد ہم بیرونی محاذ پر قیام امن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

اندرونی محاذ سے ہماری مراد خاندان ، قبیلہ ، جماعت یا مملکت کے دائرہ اقتدار و اختیار میں آنے والے افراد اور وہ علاقائی حدود ہیں جن کے اندر ان افراد سے مل کر کوئی معاشرہ تشکیل پاتا ہے ، اور جسے منظم رکھنے اور صحیح

خطوط پر چلانے کیلئے اخلاقی ضوابط اور سماجی حدود و قیود کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا معاشرہ کو صحیح راہ پر گامزن رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسے فتنہ و فساد سے پاک رکھا جائے، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، کمزوروں کو مکمل تحفظ حاصل ہو، جرائم کی بیخ کنی کی جائے اور اتحاد و یگانگت کی خاطر باہمی اختلافات و تنازعات بڑھنے نہ دینے جائیں۔

قیام امن کے بنیادی مقاصد، اور اقدامات :

قیام امن کے بنیادی مقاصد میں سے عظیم تر اور اہم ترین مقصد یہ ہے کہ انسانیت کی سلامتی کو یقینی بنایا جائے۔ اور اس کیلئے ضروری ہے کہ معاشرہ سے فتنہ و فساد کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ اگرچہ یوں تو ہر شخص فتنہ و فساد کو برا سمجھتا اور اسے ناپسند کرتا ہے مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ اس پر ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کی پرزور مذمت کے ساتھ ساتھ (۲) فتنہ و فساد کی برائی کو بھی کھل کر واضح کیا ہے اور سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

» ولانفسدوا فی الارض بعد اصلاحها ذلکم خیر لکم (اعراف : ۸۵)

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اسکی اصلاح کے بعد، یہ بہتر ہے تمہارے لئے یعنی جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کیا اور اسے تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرنے کے قابل بنا دیا ہے، اس میں فتنہ و فساد برپا کر کے اپنے اوپر خدا کی رحمتوں کے دروازے بند نہ کرو، ورنہ تم سے بڑا ناشکرا کوئی نہیں ہو گا۔ کیونکہ فتنہ و فساد کا مطلب تو یہ ہے کہ زمین کی نعمتوں سے استفادہ کی راہیں مسدود کر دی جائیں اور کھیتیاں اور مختلف اقسام کے چرند و پرند کی نسلوں کے بھلنے بھولنے کیلئے زمین کی فضاء ناسازگار بنادی جائے۔ اسی لئے تو فتنہ کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا گیا ہے (۳)۔

کسی ایک شخص یا جانور کو قتل کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ خود اس ایک چیز کو زندگی سے محروم کر دینا، لیکن فتنہ و فساد سے تو پوری زمین تباہی و بربادی کے خطرے سے دوچار ہو جاتی ہے، کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں، جانوروں کی مفید نسلیں مٹ جاتی ہیں اور خود انسانوں پر نعمتوں کے

دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ بھوک، افلاس اور قحط سالیوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ لہذا حق کے پیروکاروں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی سرکوبی کریں اور فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ ورنہ اگر حق اور حق پرست باطل سے دینے لگیں یا باطل پرستوں کی پیروی کرنے لگیں تو زمین و آسمان آماجگاہ فتنہ و فساد بن جائیں گے (۴)۔ اور زمین و آسمان میں فساد کا مطلب انسانیت کی ہلاکت و بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے پیروکاروں اور اہل ہوا کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

عن النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : مثل القائم علی حدود اللہ عزوجل والواقع فیہا کمثل قوم استہموا علی سفینة فأصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها۔ فکان الذی فی اسفلها اذا استقموا من الماء مروا علی من فوقہم ، قالوا لوانا خرقتنا فی نسیبنا خرقتاً ولم تؤذ من فوقنا۔ فان یترکوکم وما ارادوا ہلکوا جمیعاً وان اخذوا علی ایدیہم نجوا و نجوا جمیعاً۔
(صحیح البخاری : کتاب الشركة)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود پر قائم رہنے والے کی مثال اور ان حدود کو توڑنے والے کی مثال اس قوم جیسی ہے جو کسی کشتی میں شریک ہوں۔ بعض کے قبضے میں اس کے اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے قبضے میں نیچے والا حصہ۔ نیچے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑتی تو انہیں اوپر والوں کے درمیان میں سے گذرنا پڑتا تھا لہذا انہوں نے سوچا کہ اگر وہ کشتی کے اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو بہتر ہے۔ اب اگر اوپر والوں نے انہیں ان کے ارادے سے باز نہ رکھا تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے انہیں روک دیا تو یہ خود بھی بیچ جائیں گے اور وہ بھی ۔۔

عدل و انصاف کا قیام :

امن و سلامتی کی فضا قائم رکھنے کیلئے دوسرا اہم اقدام عدل و انصاف کا قیام ہے۔ اس مقصد کیلئے ایک طرف تو یہ کوشش ہونی چاہئے کہ معاشرے کا

ہر فرد اپنے طور پر عادل ہو، انصاف کی راہ پر چلنے والا ہو اور ظلم و تعدی سے اسے نفرت ہو۔ اس مقصد کیلئے ہر فرد معاشرہ کی تربیت اس انداز میں ہونی چاہئے کہ وہ ذاتی، خاندانی، قبائلی اور علاقائی مفادات کو مدنظر رکھنے کی بجائے حق کو ملحوظ خاطر رکھے اور خود کو راہ اعتدال سے ہٹنے نہ دے۔

دوسری طرف جن پر عدل و انصاف قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے انہیں چاہئے کہ اس سے ذرا سی بھی کوتاہی نہ برتیں اور پوری طرح خیال رکھیں کہ کسی سے ناانصافی اور زیادتی نہ ہونے پائے۔ اول تو انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو ظلم و زیادتی کی جرأت ہی نہ ہو لیکن اگر کسی نے کسی طرح کوئی شخص ظلم و زیادتی کا شکار ہو بھی جاتا ہے تو اس کے ازالے اور تلافی کا فوری بندوبست ہونا چاہئے۔ کیونکہ جس معاشرہ میں ظلم و جور کو برداشت کیا جائے گا اور اس کے سد باب کا کوئی مؤثر انتظام نہ ہو گا وہ لازمی طور پر بے چینی کا شکار ہو جائے گا جس سے باہمی عداوتیں اور نفرتیں بڑھنے لگیں گی اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا جو اس معاشرہ کو کھوکھلا کر کے اسے تباہی کے غار کی طرف دھکیل دے گا۔

عدل و انصاف کے سلسلہ میں وارد قرآنی ارشادات و احکام سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن نے انسانوں کو ایک ایسا ٹھوس اور مستحکم لائحہ عمل فراہم کیا ہے جس میں ذاتی اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر جادۂ انصاف پر گام زن ہونا ہی ایک مسلمان کا شیوہ ہو سکتا ہے (۵)۔ اور جانبداری سے مکمل طور پر منع فرمایا گیا ہے :

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی (انعام : ۱۵۲)

اور جب تم کچھ کہنے لگو تو انصاف سے کام لو چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

کمزور طبقوں کے لئیے ضروری تحفظات :

قیام امن کا تیسرا اہم اور بنیادی طریقہ کمزوروں اور زیردستوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ میں پنہاں ہے۔ حق کے بیروکاروں کیلئے ضروری ہے کہ وہ معاشرہ کے کمزور اور زیردست افراد کی جان و مال اور عزت و آبرو

کی حفاظت کا مؤثر بندوبست کریں اور کسی فرد یا طبقہ کو ان کے استحصال کی اجازت نہ دیں۔ کمزوروں اور زبردستوں کے حقوق کی حفاظت یا ان کے حصول کیلئے تو قرآن مجید قتل و قاتل تک کی اجازت دیتا ہے (۶)۔ اس لئیے کہ معاشرہ کو ظلم و جور سے پاک کر کے امن و سلامتی کی راہ پر گام زن کرنے کیلئے کمزوروں کی حفاظت اور ان کی مدد، ان کی سرپرستی اور ان کے حقوق کی حفاظت کیلئے ظالم طاقتوں سے جنگ اور قتال و جہاد بعض اوقات نہایت ضروری ہو جاتی ہے۔

اتحاد و یک جہتی :

قیام امن اور اس کے استحکام کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ پوری قوم متحد ہو اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی بنیادی اختلاف نہ ہو۔ کیونکہ باہمی اختلاف و انتشار ایک پر امن معاشرہ کیلئے سم قاتل سے کم کا درجہ نہیں رکھتے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اندرونی سطح پر برے چینی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ باہر کے دشمنوں کو بھی دخل اندازی کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری قوم کو ابتلاؤ آزمائش سے دوچار کر دیتے ہیں۔ (۷) اور اگر اختلافات پیدا ہو بھی جائیں تو ضروری ہے کہ ان کو ختم کرنے کیلئے فوری کارروائی ہونی چاہئیے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم (حجرات : ۱۰)

مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس ان کے مابین صلح کرا دیا کرو۔ اسی طرح اگر اختلافات اس قدر شدید ہو جائیں کہ قوم کئی حصوں میں بٹ کر رہ جائے اور اس کے مختلف گروہ ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جائیں تو ضروری ہے کہ ان کے درمیان بھی صلح و صفائی کرا دی جائے اور اگر صلح و صفائی کے بعد بھی کوئی گروہ آساده قتال ہو تو پھر پوری قوم پر فرض ہو جانا ہے کہ اس گروہ سے اس وقت تک قتال کرے جب تک کہ وہ خدا کے حکم کے آگے سرنگوں ہو کر سرکشی و بغاوت سے باز نہیں آجانا۔ (۸)۔

سماجی جرائم کا انسداد :

ان کے علاوہ معاصرے کی بنیادوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر جو چیز کھوکھلا کر دیتی ہے وہ اخلاقی و سماجی جرائم ہیں۔ اور اگر ان کے انسداد کا معقول اور مناسب طریقہ کار موجود نہ ہو یا طریقہ کار تو موجود ہو مگر اس پر سختی سے عمل نہ ہو رہا ہو تو اندرونی استحکام کسی طور قائم نہیں رہ سکتا۔ لہذا قرآن حکیم نے معاشرتی جرائم کی بیخ کنی کیلئے نہایت ہی موزوں اور مناسب سزائیں مقرر کی ہیں جیسے چوری کیلئے ہاتھ کاٹنے کی سزا (۹) ڈاکہ زنی اور تخریب کاری کیلئے جرم کی نوعیت سے ہاتھ پاؤں کاٹنے یا سولی پر لٹکانے یا قیدوبند کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں (۱۰) اس طرح قتل اور خونریزی کیلئے قصاص و دیت (۱۱) زنا اور فحاش جیسے جرائم کیلئے رجم یا کوڑوں کی سزا (۱۲) اور کسی کو بے آبرو کرنے کیلئے اس پر سنگین الزام (قذف) لگانے پر کوڑوں کی سزا (۱۳) مقرر کی گئی ہے۔ اسی طرح کم تولنے (۱۴) ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور رشوت کے کاروبار (۱۵) کے سلسلہ میں بھی نہایت ٹھوس اور واضح ہدایات موجود ہیں۔

امن و سلامتی کی بقا کے لئے ضروری اقدامات :

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کسی معاشرے کے اندرونی امن و استحکام کے سلسلہ میں تھا۔ اب ہم ان اقدامات کا ذکر کریں گے جو کسی معاشرے کو صحیح خطوط پر چلانے کے سلسلہ میں بیرونی خطرات و رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ بیرونی محاذ کے ضمن میں کسی خاندان، قبیلہ، جماعت یا ملکی حدود سے باہر کے مسائل و معاملات آتے ہیں۔ ان مسائل و معاملات میں بنیادی اہمیت حالات جنگ یا امن کو حاصل ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس کے داعی اور لانے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغام بر امن و سلامتی تھے۔ خود لفظ اسلام میں سلامتی اور تحفظ کے مفہام بلیغہ پوشیدہ ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کیلئے دلیل اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی کتاب قرآن حکیم کی وہ ہدایات و احکام ہیں جو انسانیت کی

بقا اور سلامتی کیلئے بنائے گئے ہیں۔ یوں تو قرآن کریم پورا کا پورا مکمل طور پر دستور سلامتی و امن ہے۔ اور اس کے جملہ آیات و ارشادات انسان کی فوز و فلاح کیلئے ہیں۔ چاہے یہ کامیابی دنیاوی ہو یا اخروی، لیکن ہم یہاں خاص طور پر ان آیات و ہدایات کا جائزہ لیں گے جنکا تعلق براہ راست جنگ یا امن سے ہے۔ اس سلسلہ میں اگر ہم مجموعی طور پر قرآنی آیات کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن فتنہ و فساد، تخریب کاری، جنگ و جدال اور قتل و غارت گری کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیتا ہے اور جنگ و جدال کی صرف ضرورت کے تحت اجازت دیتا ہے اور وہ بھی کچھ حدود و قیود کے ساتھ۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس کیلئے ایک الگ اصطلاح قائم کی ہے جو کہ لفظ جہاد ہے۔

جہاد :

قرآن حکیم بلاوجہ کسی کی جان لینے کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ٹھہراتا ہے (۱۶)۔ اس لینے کہ اسلام کے نزدیک کسی کو جان سے مار دینا نسل انسانی کی تباہی کا راستہ کھول دینے کے مترادف ہے اور کسی ایک جان کو بچا لینا پوری انسانیت کیلئے سلامتی اور اسکی بقا کو یقینی بنانا ہے۔ البتہ جہاں کسی کی جان لینا ناگزیر ہو جائے کہ کوئی شخص خود انسانیت کی بقا کیلئے خطرہ بن چکا ہو تو پھر ایسے شخص کو زندہ رکھنا سلامتی کے اصول کے خلاف ہو جاتا ہے لہذا اسے زندگی سے محروم کرنے کی اجازت ہے (۱۷)۔ اس لینے کہ قرآن جہاں نشتر زنی کو فساد کی جڑیں کاٹنے کیلئے ضروری سمجھتا ہے وہاں وہ اسے لازمی قرار دیتا ہے (۱۸)۔

قرآن کی اسی روح کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتال و جدال کی آرزو تک سے منع فرمایا ہے اور صرف ناگزیر حالات میں اسکی اجازت دی ہے :

لاتتمنوا لقاء العدو، واستلوا اللہ العاقبة، واذالقیتموہم فاصبروا، (صحیح بخاری - کتاب الجہاد)

دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے خیریت کے طالب رہو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ آپ جنگ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے البتہ جب جنگ مسلط کر دی جاتی یا اسے ناگزیر سمجھتے تو پھر اس سلسلہ میں نہ تو خود کوئی کوتاہی برتنے اور نہ ہی اپنے کسی ساتھی کی طرف سے لاپرواہی کو برداشت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ابتدائی زندگی میں باوجود یکہ شدید مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ قتال و جدال سے اس وقت تک گریز کرتے رہے جب تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ملی (۱۹)۔ کیونکہ حق کے پاس قوت و طاقت ہونے کے باوجود اس کا اور اس کے پیروکاروں کا ظلم و تعدی کو برداشت کرنا اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا انسانیت کی دشمن طاقتوں کو کھلی چھٹی دیدینے کے مترادف ہے کہ وہ امن و سلامتی کے مقدس مقامات تک کو تھس نہس کر کے رکھدیں جسکی ظاہر ہے کس طرح اجازت نہیں دی جا سکتی (۲۰)۔

طاقت کا حصول :

دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے اور استحکام امن کیلئے ضروری ہے کہ علم برداران امن خود کو ہر وقت جنگ کیلئے تیار رکھیں اور جہاد مسلسل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔ اس لیئے کہ امن و سلامتی کے استحکام کیلئے طاقت کے توازن کو اپنے حق میں رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے جو بغیر جنگی تیاریوں اور حرب و ضرب کی صلاحیتوں میں مسلسل اضافے کے ممکن نہیں ہوتا۔ زمین کو آماجگاہ فتنہ و فساد بننے سے روکنے کیلئے طاقت کا استعمال ہی مؤثر ذریعہ ہے جیسا کہ خود قرآن حکیم کا ارشاد ہے :

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض (سورة بقره : ۲۵۱)
اور اگر نہ ہوتا لوگوں کے بعض سے بعض سے ہٹانے کا خدائی انتظام تو زمین پر فساد پھیل جاتا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بعض لوگ جو آمادہ فتنہ و فساد رھتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ ان بعض لوگوں کے ذریعے جنکا کام امن کا قیام ہے دبانا اور مٹانا ہے تاکہ شر کی قوتیں خیر پر غالب نہ آجائیں۔ اور خیر کی قوتیں شر کو تب ہی دبا سکتی ہیں جب ان کے پاس قوت و طاقت ان کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ اس لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم و آخرين من دونهم لاتعلمونهم الله يعلمهم (سورة انفال : ۶۰) -
 اور تیاری کرو ان کے بمقابلے کیلئے جو کچھ تمہارے بس میں ہو (حربی)
 طاقت میں سے اور گھوڑوں کو پال کر کہ اس سے تم اللہ اور اپنے دشمنوں پر
 دھاک بٹھا دو اور ان پر جو ان کے سوا ہیں جنہیں تم نہیں جانتے ، اللہ انہیں
 جانتا ہے -

اسی طرح قرآن مجید سامان حرب و ضرب کی تیاری کے ساتھ دفاعی
 تیاریوں اور مختلف قسم کے آلات و لوازمات کو تیار کرنے دفاعی چہتری فراہم
 کرنے - مورچے کھودنے ، بکتر بند قسم کے ہتھیار بنانے کی اہمیت کو بھی واضح
 کرتے ہوئے فرماتا ہے :

والله جعل لكم مما خلق ظلالاً و جعل لكم من الجبال اكنائناً و جعل لكم
 سراييل تقيكم الحرو سراييل تقيكم بأسكم (سورة نحل : ۸۱)
 اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے لیئے سایہ فراہم کیا ہے
 اور پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنا دی ہیں اور تمہارے لیئے گرمی اور
 جنگوں سے بچاؤ کیلئے کرتے بنا دیئے ہیں -

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دفاعی سامان حرب بنانے ، پہاڑوں میں
 مورچے کھودنے اور حفاظتی لباس وغیرہ بنانے کو اپنے طرف منسوب کر کے ان کی
 اہمیت کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے - اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ
 حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے کہتے ہیں :
 وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لِّكُمْ لِنَحْمِصَنَّكُمْ مِنْ بِأَسْكُمْ ، فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُونَ (سورة
 انبياء : ۸۰)

اور ہم نے اسے تمہارے لیئے ایک لباس بنانا سکھلا دیا تاکہ وہ تمہاری
 جنگوں میں تمہارے لیئے بچاؤ ہو ، تو کیا تم شکر کرتے ہو -
 دفاعی استحکام :

دفاعی طور پر مستحکم ہونا نہ صرف اس لیئے ضروری ہے کہ جنگ کی
 صورت میں دشمن کے عزائم کو کم از کم نقصان اٹھا کر ناکام بنا دیا جائے
 بلکہ دفاعی استحکام خود جنگ سے بچنے کا بھی بہت اہم ذریعہ ہے - کیونکہ

جنگی طور پر طاقت ور قوم سے ٹکرانے اور الجھنے کی حماقت خود کشی کے ہی مترادف ہوتی ہے الا یہ کہ کوئی ایسی عظیم مقصد سامنے ہو جس کے حصول کیلئے بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانا اور اس مقصد کے حصول کے لئے جان تک دیدینا بھی ایک سعادت ہو۔ بہر حال حربی صلاحیتوں میں اضافے کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جہاں کسی قوم سے لڑائی اور جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ طریقہ کار کے اعتبار سے جنگوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جنہیں مختلف نام دینے جاتے ہیں لیکن جنگیں اپنے مقاصد کے اعتبار سے بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ بعض جنگیں صرف کشور کشائی کیلئے لڑی جاتی ہیں تو بعض صرف اس لئے کہ حریف طاقت میں کمزور ہے۔ اور چونکہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کے سوا کچھ نہیں لہذا ان سے جینے کا حق چھین لینے کیلئے ان پر جنگ مسلط کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض جنگیں دفاعی نوعیت کی ہوتی ہیں جو اپنی بقا اور سلامتی کیلئے لڑی جاتی ہیں۔ جہاں تک طریقہ کار کے اعتبار سے جنگوں کا تعلق ہے ہم اس سے بحث نہیں کرتے کیوں کہ یہ حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا جنگی چال دشمن کی بر خیری سے فائدہ اٹھا کر اسے زک پہنچانا ہے۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحرب خدعة" کا نام دیا ہے کہ جنگ تو ایک طرح کی چال ہے البتہ اپنے مقاصد کے اعتبار سے جنگوں کی مختلف اقسام کا جہاں تک تعلق ہے وہ نہایت اہم ہے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم جنگ کو صرف انتہائی ناگزیر حالات میں جائز قرار دیتا ہے اور وہ بھی کشور کشائی یا ناموری کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی دین کی سر بلندی اور امن و سلامتی کے قیام کیلئے۔ اور پھر اس کیلئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں جن سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

قرآن حکیم اپنے بیروکاروں کو لڑنے کی اجازت اس صورت میں دیتا ہے جب حق کے علم بردار یہ محسوس کرنے لگیں کہ ان کی سلامتی اور مفادات خطرے میں ہیں اور آمادہ قتال دشمن کو کسی اور طرح باز رکھنا اب ناممکن ہو گیا ہے :

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعدوا ، ان اللہ لایحب المعتدین

(سورۃ بقرہ : ۱۹۰)

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو ، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اس آیت میں دشمنوں سے قتال کی اجازت تو ہے مگر اس وقت تک جب تک کہ دشمن برسر پیکار رہنا چاہتا ہے ۔ لیکن اگر دشمن شرارت سے دست بردار ہو جائے تو پھر ان پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینے کا حکم ہے ۔ البتہ اگر دشمن مسلسل ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوں اور کسی طور اپنی سازشوں سے باز نہ آتے ہوں تو پھر فتنہ و فساد کے خاتمہ تک ان سے قتال کی اجازت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے ؛

وقاتلوہم حتی لا تكون فتنہ و یكون اللہین للہ .. (سورۃ بقرہ : ۱۹۳)

اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور خدا تعالیٰ ہی کا حکم نافذ ہو جائے . . .

حتی کہ فساد کے استیصال کیلئے اگر کچھ تخریب برائے تعمیر بھی کرنی پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے جو قرآن حکیم کی اس آیت سے مترشح ہوتی ہے :

ماقطعتم من لینۃ أو ترکتموها قائمۃ علی اصولها فیاذن اللہ ولیخزی الفاسقین (سورۃ حشر : ۵)

جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا اسے کھڑا رہنے دیا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے ۔ اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو ۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مرض جب حد سے بڑھنے لگے اور مریض کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو بعض اوقات نشتر زنی کرنی پڑتی ہے اسی طرح فتنہ و فساد کا خاتمہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مذہبی فریضہ ہے اور اسی فریضہ کو قرآن جہاد کا نام دیتا ہے ، لہذا جہاد ضروری ہو مسلمان شرکی طاقتوں کے خلاف مناسب اقدامات کرنے کے مجاز ہوتے ہیں جیسے دشمن کی اقتصادی تنصیبات کو نقصان پہنچانا تاکہ وہ مجبور ہو کر شرارت سے باز آجائیں ۔

کفار سے یہ جہاد ہرآن اور ہر میدان میں جاری رہتا ہے۔ چاہے وہ زمانہ امن ہو یا حالات جنگ ان کے مقابلے میں کمزوری دکھانا اور پیشہ۔ پھیرنا قرآن کے نزدیک ایک بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن نے میدان کارزار میں بزدلی دکھانے اور پیشہ۔ پھیرنے کو سنگین جرم قرار دیا ہے (۲۱)۔

اور چونکہ کفار و منافقین سے یہ جہاد صرف میدان جنگ ہی میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے ساتھ۔ جہاد کا محاذ بہت وسیع ہے لہذا ان کے مقابلے میں کسی بھی میدان میں پسپائی اختیار کرنا بزدلی اور پیشہ۔ پھیرنے کے ضمن میں آئے گا۔ اس لئی ضروری ہے کہ مسلمان ہر دوڑ اور مقابلے میں ان سے آگے نکلنے کیلئے مسلسل جہاد کرتے رہیں۔ کیونکہ اگر وہ اپنے درخشاں ماضی کے عہد کو لوٹانا چاہتے ہیں تو پھر جہاد کا راستہ اپنانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ اور یہ جہاد ہمہ گیر اور ہمہ پہلو ہو، اسکی ابتدا سب سے پہلے اپنے گھر سے کرنی چاہئے۔ لہذا سب سے پہلے مسلمانوں کو چاہئے کہ جہالت، غربت اور اقتصادی پس ماندگی کے خلاف جہاد شروع کر دیں، پھر صنعتی و تکنیکی اور عسکری ترقی کی راہ کو اپنا کر ان رکاوٹوں کے خلاف جہاد کریں جو یا تو خود مسلمانوں نے اپنی راہ میں حائل کر رکھی ہیں یا پھر دشمنوں نے پیدا کر دی ہیں۔ صرف اسی طرح ہی وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کر کے اقوام عالم میں سرخرو ہونے کے ساتھ۔ ساتھ۔ خدا کی رحمت و انعامات سے بھی بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

احتیاطی تدابیر :

قیام امن کیلئے بعض اوقات جہاں جنگ اور قتال ناگزیر ہو جاتی ہے وہاں بعض احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا بھی انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ جہاں تک جنگ سے گریز اور بچنا ممکن ہو بچا جا سکے اور اگر جنگ چھڑ ہی جائے تو اپنی عسکری، اقتصادی، صنعتی تنصیبات اور مواصلاتی نظام کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اسی لئی قرآن حکیم میں حفاظتی اقدامات کے سلسلہ میں ارشاد ہے :

یا ایہا الذین آمنوا خذوا حذرکم (سورۃ نساء : ۷۱)

اے ایمان والو اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔

اپنی اور اپنے مفادات کی حفاظت اور بچاؤ اس لئی بھی ضروری ہے کہ دشمن ہر وقت اس تاک میں رہتا ہے کہ کہیں وہ مسلمانوں کو غافل پائے اور جھٹ ان پر حملہ آور ہو جائے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْفَلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً
(سورة نساء: ۱۰۲)

کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم پر خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔

انہی احتیاطی تدابیر میں سے ایک جاسوسی کا نظام بھی ہے۔ دشمن کے عزائم سے ہر وقت باخبر رہنے کے لئیے ان کے علاقوں میں اپنے جاسوس متعین کرنا اور اپنے علاقوں میں دشمن کے جاسوسوں کو پکڑنا اور انہیں ان کے عزائم میں ناکام بنانا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ دشمن کمزور پہلوؤں سے آگاہ ہو کر نقصان نہ پہنچا سکے۔ قرآن کہتا ہے:

وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ (سورة توبہ: ۴۳)

اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس موجود ہیں۔

اسی طرح مسلمانوں کو کفار سے دوستی رکھنے اور انہیں راز دار بنانے سے روک دیا گیا ہے کیونکہ وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو مسلمانوں کو زک پہنچا کر ہی خوش ہوتے ہیں (۲۲)۔ اسی طرح جاسوسی نظام کی اہمیت اس لئیے بھی ہے کہ کہیں مسلمان پر خبری اور لاعلمی کی وجہ سے اپنے ہی مفادات کو نشانہ نہ بنا بیٹھیں اور پھر انہیں شرمندگی اٹھانی پڑ جائے (۲۳)۔ اس کے علاوہ اگر اپنا جاسوسی نظام مؤثر اور قابل اعتماد ہو گا تو دشمن کی طرف سے افواہوں کو پھیلا کر مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پھیلانے کی کوششیں بھی ناکام ہو جائیں گی۔ قرآن حکیم میں افواہوں سے محتاط رہنے اور افواہ سازی کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَالْإِلَى الْأُولَى

الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَبْطِنُونَ مِنْهُمْ (سورة نساء: ۸۳)

اور جب ان کے پاس کوئی خیر پہنچتی ہے امن کی یا ڈر کی تو اسکو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر انکو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں

تک تو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں وہ اسکی تحقیق کر کے اصل حقیقت سے باخبر ہو جائے۔

معاهدات :

چونکہ حق کے پیروکاروں کا اصل مشن امن و سلامتی کی فضاء پیدا کرنا اور اسے استحکام بخشنا ہی ہے لہذا اگر دشمن جنگ سے دست بردار ہو اور صلح کی خواہش کا اظہار کرے اور اسکی نیک نیتی بھی واضح ہو تو پھر قرآن اپنے پیروکاروں کو صلح کر لینے کا حکم دیتا ہے :

وان جنحوا للسلم فاجتہ لہا وتوکل علی اللہ (سورہ انفال : ۶۱)
اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بہروسہ کر اللہ پر۔

دراصل قرآن اس کرہ ارض کو امن کا گہوارہ دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اگر شر اور بدی کی طاقتیں شرارت سے باز آ جائیں اور خیر کے سامنے جھک کر اپنی حرکتوں سے کنارہ کش ہو جائیں تو پھر ان سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں (۲۳) البتہ اگر وہ بظاہر دب کر رہنے لگیں لیکن اپنی ریشہ دوانیاں خفیہ طور پر جاری رکھیں تو پھر ان کے مکمل استیصال کی اجازت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے :

ستجدون آخرین یریدون ان یأمنوکم ویأمنوا قومہم ، کلما ردوا الی الفتنۃ
ارکسوا فیہا ، فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا یدہم فخذوہم واقتلوہم
حیث تقفتموہم (سورۃ نساء : ۹۱)۔

تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی۔ جب کبھی وہ لوٹائے جاتے ہیں فساد کی طرف تو اس میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ تم سے دور نہ رہیں اور تم پر صلح پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں انہیں پاؤ۔
لیکن اگر کسی قوم سے جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا ہے اور کفار کی طرف سے اسکی خلاف ورزی کی جارہی ہو یا خلاف ورزی کا خوف ہو تو پھر ان کے خلاف کارروائی کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ پہلے علی الاعلان اس معاہدے کو ختم کر دیا جائے :

وامانخا فن من قوم خیانتہ فانبذ الیہم علی سواء ، ان اللہ لایحب الخائنین
(سورۃ انفال : ۵۸)

اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے بدعہدی کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف اس طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ بیشک اللہ بدعہدی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔

مسلمان معاہدوں کے صرف اسی صورت میں پابند ٹھہرائے گئے ہیں جب تک کہ مخالفین بھی ان کی پاسداری کریں (۲۵) ۔ لیکن اگر وہ معاہدوں پر عمل درآمد نہیں کرتے تو پھر مسلمانوں کو معاہدوں سے دست بردار ہونے کی پوری اجازت ہے ۔

ہماری اب تک کی بحث سے امید ہے کہ یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ قرآن امن و سلامتی کا کیا تصور پیش کرتا ہے اور اس کیلئے اس نے کیسا نظام منتخب کیا ہے ۔ اب ہم مختصراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اسوہ حسنہ پر گفتگو کرتے ہیں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اس تصور کو کس طرح عملی جامہ پہنایا اور کیونکر ایک مثالی معاشرہ تشکیل دے کر انسانیت کیلئے ایک شاندار نمونہ پیش کیا حتیٰ کہ قرآن نے آپ کو رحمۃ للعالمین کا عظیم الشان خطاب عطا فرمایا (۲۶) ۔

ہم اگر تاریخ کے اوراق کو پلٹیں اور آپ کے حالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ اس عظیم الشان خطاب کے پوری طرح اہل تہمے اور آپ نے انے قبول و عمل اور کردار سے خود کو رحمت ثابت کر دکھایا ہے ۔ آپ کے بارے میں قرآن کہتا ہے :

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم ، بالمؤمنین رؤف رحیم (سورۃ توبۃ : ۱۲۸)

بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے ، تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس پر گراں گزرتی ہے ، تمہاری بھلائی کا طلب گار ہے ، ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہے ۔

آپ کی شفقت اور مہربانی اس کائنات کے تمام جانداروں حتیٰ کہ شجر و حجر سب کیلئے تھی اور آپ کی لطف و عنایات کی مثالوں اور واقعات سے کتب سیرت بھری پڑی ہیں۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق جو جامع ترین آیت نازل ہوئی ہے اس پر اگر غور کریں تو اس اعلیٰ اقدار کی حامل جماعت اور اس کے رہنما کا پورا کردار ہمارے سامنے آ جاتا ہے کہ وہ آپس میں ریشم کی طرح نرم اور دشمنوں کیلئے فولاد اور شمشیر برائے تھے۔ ان کی راتیں خدا کی بریبا عبادت میں گذرتی تھیں تو دن اللہ کی رضا کے کاموں میں صرف ہوتا تھا (۲۷)

آپ کی شان رحمة للعالمینی کو پورے طور پر نمایاں کرنے کے لئے اگر ہم آپ کی سیرت کا مطالعہ دیگر فاتحین اقوام عالم کے کردار سے تقابلی انداز میں کریں تو آپ کا تمام عالم کیلئے سراپا مجسمہ رحمت و شفقت ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ خود قرآن حکیم دیگر فاتحین کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتا ہے اسکا مقابلہ ان احکام سے کریں جو آپ کو دینے گئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شان دوسروں سے کس قدر بلند ہے۔ قرآن کہتا ہے :

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلهما اذلة وكذا الكافلون
(سورة نمل : ۲۳)

بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسکو خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہی کر گزرتے ہیں۔ یہ تو بادشاہوں اور دیگر فاتحین کا رویہ ہے جو قرآن نے ملکہ سبا کی زبانی بیان کیا ہے۔ اب دیکھئے خود رسول اللہ کو قرآن کیا کہتا ہے۔ جب کفار نے آپ کو حسد سے زیادہ ستانا شروع کر دیا اور آپ ان کی ریشہ دواتیوں سے تنگ آ گئے تو آپ نے اپنی نمازوں میں ان پر بدعا کرنی شروع کر دی، اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا :

ليس لك من الأمر شيء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فانهم ظالمون (سورة آل عمران : ۱۲۸)

تیرا کچھ اختیار نہیں ہے۔ یا تو (اللہ تعالیٰ) انہیں معاف کر دے یا انہیں عذاب دے کہ وہ ناحق پر ہیں۔

آپ کا وہ سلوک یاد کیجئے جب آپ فاتحانہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور اپنے دیرینہ دشمنوں کو جو خود شرمسار ہو کر آپ کے سامنے پیش ہو گئے تھے یا جنہیں پکڑا جا چکا تھا ، معاف کرتے ہوئے تاریخی الفاظ میں ارشاد فرمایا :

لا تشریب علیکم الیوم ، اذہبوا انتم الطلقاء (زادالمعاد ج ۲ - فتح مکہ)

آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں ، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

بہلا تاریخ میں ایسی کوئی اور مثال ہے جس میں کسی فاتح نے اس قسم کا رویہ اختیار کیا ہو۔ ہاں اس سے کم تر درجہ کی مثالیں مل سکتی ہیں مگر وہ بھی صرف مسلمانوں میں۔

فیا رب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلہم

حوالہ جات

- ۱ - سورة يوسف : ۵۳
- ۲ - سورة البقرة : ۲۰۳ - ۲۰۵
- ۳ - سورة البقرة : ۱۹۱
- ۴ - سورة المؤمنون : ۶۱
- ۵ - سورة المائدة : ۸
- ۶ - سورة النساء : ۵
- ۷ - سورة الانفال : ۳۶
- ۸ - سورة الحجرات : ۹
- ۹ - سورة المائدة : ۲۸
- ۱۰ - سورة المائدة : ۳۳
- ۱۱ - سورة البقرة : ۱۷۸ - ۱۷۹
- ۱۲ - سورة النور : ۲
- ۱۳ - سورة النور : ۳
- ۱۴ - سورة التطفیف : ۱ - ۳
- ۱۵ - سورة البقرة : ۱۸۸
- ۱۶ - سورة المائدة : ۳۲
- ۱۷ - سورة الانعام : ۱۵۱

- ١٨ - سورة البقرة : ١٢٩
- ١٩ - سورة الحج : ٢٩
- ٢٠ - سورة الحج : ٣
- ٢١ - سورة الانفال : ١٥ - ١٦
- ٢٢ - سورة آل عمران : ١١٨
- ٢٣ - سورة الحجرات : ٦
- ٢٤ - سورة النساء : ٩٠
- ٢٥ - سورة التوبة : <
- ٢٦ - سورة الانبياء : <١٠
- ٢٧ - سورة الفتح : ٢٩

